180/ROP

1. Name of the book	:	NISHAT-E-ARZOO (Urdu Poetry)
2. Name of the poet	:	MOMIN KHAN SHAUQ
3. Year of publication	:	November, 1993
4. Price	:	Rs.40-00
5. Total No.of pages	:	128
6. Printed at	:	Ejaz Printing Press, Chatta Bazar, Hyderabad
7. Published by	:	Momin Khan Shauq [redacted] (partly aided by the A.P.Urdu Academy)
8. Address	:	Ashraf Villa, 11-3-723, Mallepally, Hyderabad-1.

CP

MOMIN KHAN SHAUQ
23/11/93

تیسرا شعری مجموعہ

نشاطِ آرزو

مومن خان شوق

سنِ اشاعت : ۱۹۹۳ء
تعداد : ۵۰۰
کتابت : محمود سلیم۔ محمّد اقبال
سرورق : سید مختار
طباعت : اعجاز پرنٹنگ پریس، چھتّہ بازار حیدرآباد۔
قیمت : چالیس روپے (-/Rs.40)
خلیجی ممالک : 20 ریال۔ امریکہ : ۱۰ ڈالر
یہ کتاب اُردو اکیڈمی آندھرا پردیش کی جزوی مالی اعانت سے شائع کی گئی۔



ملنے کے پتے :
- حسامی بک ڈپو، چارکمان، حیدرآباد۔ ۲
- ادبی مرکز، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتّہ بازار حیدرآباد
- مکتبۂ شاداب، ۱۱-۵-۱۴۱ ریڈ ہلز۔ حیدرآباد۔
- سیما پبلشرز اینڈ بک پروموٹرس، ۴۷، وینکٹ گیری نگر، یوسف گوڑہ حیدرآباد
- مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دِلّی۔ بمبئی۔ علی گڑھ۔
- مُصنّف : اشرف وِلا، ۱۱-۳-۲۲۳-۷ روبرو جامع مسجد ملّے پلی۔ حیدرآباد۔ ۱

اِنتساب

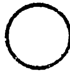
شہرِ مُروّت حیدرآباد

کے

نام

یہ شہرِ مُروّت ہے، قطب شاہ کی دولت
اخلاص کی عظمت ہے، قطب شاہ کی دولت
یک جہتی، رواداری سے تم اِس کو سنوارو
یہ پاسِ محبّت ہے، قطب شاہ کی دولت

ترتیب



کرن کرن اُجالا

شاعری لفظوں کے دامن میں فکر و جذبات کے مثبت اقدار کی کشیدکاری ہے۔ واقعات اور حادثات سے فضاؤں میں پیدا ہونے والے ارتعاش کو شاعر جب خونِ جگر کی روشنائی سے نذرِ قرطاس کرتا ہے تو شعر کی تخلیق ہوتی ہے۔ لیکن یہ کانٹوں پر برہنہ پا مسافر کا سفر ہے جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہوتا۔ خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جنھیں بیدار ذہن اور روشن آنکھیں ملتی ہیں۔ میرے دوست مومن خاں شوق ان ہی خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں۔ زندگی کے مثبت اقدار پر شوق کا ایقان، ایمان کی طرح مضبوط ہے۔ اگر آپ کی ملاقات کبھی اُن سے ہوئی ہو یا آپ نے اُن کے ساتھ کچھ وقت گزارا ہو تو آپ بھی یقیناً میرے ہم خیال ہوں گے۔ بھرپور جسم، روشن آنکھیں، لبوں پر مسکراہٹ لیے یہ صاف ستھری شخصیت کا شاعر اپنی شخصیت کی طرح شاعری میں بھی اُجالے بکھیرتا ہے۔

اس مجموعہ سے قبل شوق کے دو مجموعے "بدلتے موسم" اور "چاندنی کے پھول" شائع ہو چکے ہیں۔ اس لیے شوق دنیائے ادب کی کسی نئی آواز کا نام نہیں ہے۔ شوق کا لہجہ قارئینِ ادب کا جانا پہچانا لہجہ ہے۔ ان کی شاعری میں پیار و اُلفت کے جذبات کا بہتا ہوا دریا اپنے رُخ سے

قارئین کو متعارف کرا چکا ہے۔ لیکن اس تیسرے اور تازہ مجموعے میں شوق کی شاعری آس اور یاس کے امتزاج سے ایک نیا رنگ اختیار کئے ہوئے ہے۔

قلی قطب شاہ کے بسائے اس شہر میں جو شوق کے لیے شہر مروت ہے۔ جب فسادوں کی آگ بھڑک اٹھی تو حیدرآباد کے ہر صاحب فکر کی فکر ان شعلوں سے جلنے لگی۔ اسی لیے اس دور میں جتنے شعر لکھے گئے ان میں آپ کو ان ہی شعلوں کی دمک ملے گی۔ شوق کے اس مجموعے میں ایسے کئی شعر ہیں۔ بعض نظمیں تو ان کے کرب کا مکمل اظہار کرتی ہیں۔ اپنی نظم "مروتوں کے شہر میں" شوق اس کرب کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

مروتوں کے شہر میں، یہ کیسا سانحہ ہوا
دھواں، دھواں ہے آرزو
قلی قطب کے شہر میں
یہ کیا ہوا، یہ کیوں ہوا؟
نظر نظر، کرن کرن، حیات تھی
یہ لوٹ مار، قتل و خون کیوں ہوا
کہاں گئی وہ روشنی؟
محبتیں، رفاقتیں کہاں گئیں
اے دوستو، اے بھائیو!

اسی سلسلے کا ایک قطعہ بھی شوق کے جذبات کا بھرپور آئینہ دار ہے

بستی بستی ایک ہی منظر ، کوچہ کوچہ آ گئے ہیں پتھر
پھول ترستے ہیں ہاتھوں کو ، ہاتھوں میں کب تک یہ خنجر

ایسا نہیں ہے کہ شوق کی شاعری صرف یاس کی مظہر ہے وہ ان پُر آشوب حالات میں بھی آس کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کی نظمیں اور بیشتر قطعات ان کی آرزوں اور امیدوں کے آئینہ دار ہیں۔

"اپنے شہر والوں کے نام" ان کا پیام دیکھئے

بیتی ہوئی باتوں کو بھول جاؤ دوستو
جو کچھ ہوا ہے اس کو نہ دہراؤ دوستو
ہم ایک تھے، ہم ایک ہیں، ہم ایک رہیں گے
سب مل کے آج گیت یہی گاؤ دوستو

اپنی نظم "نکل آئے سویرا" کے آخری بند میں ان کا یہی جذبہ موجود ہے

بھلا دیں رنجشوں کو ، مٹا دیں سازشوں کو
ابھاریں مل کے ہم تم ، وفا کی خواہشوں کو
مٹے دل کا اندھیرا
نکل آئے سویرا

لیکن اگر "نشاطِ آرزو" کا مطالعہ اسی ایک رخ سے کیا جائے تو شاید شوق کی شاعری کا حق ادا نہیں ہوگا۔ ان کی غزلوں میں کئی ایک شعر ایسے ہیں جن میں ان کی فکر کی گہرائی اور گیرائی اجاگر ہے۔ وہ سیدھے سادے لفظوں میں اپنی فکر کو قاری کے ذہن تک پہنچانے میں مہارت رکھتے ہیں۔

آپ کو اُن کی شاعری میں نہیں کوئی ایسا لفظ ملے گا نہ کوئی ایسی ترکیب جو نامانوس ہو۔ اُن کے لئے شاعری لفظوں کی بازی گری نہیں ہے۔ صاف ستھری اور مانوس زبان میں خوبصورت شعر اس مجموعے کی زینت ہیں۔

سناٹا آواز بنا ہے ؎ درد کا یوں اظہار ہوا ہے

پیاس بن کر جو مرے لب سے الجھتا ہوگا
وہ سمندر مری تقدیر میں لکھا ہوگا

آندھیوں نے وہ ستم ڈھائے ہیں شوق
ہم تو لیں اک برگِ آوارہ ہوئے

اب زندگی کے نام پر اشعار کیا لکھیں
جلتی ہوئی حیات کا منظر نظر میں ہے

زندگی پیچ و خم سے گزرتی رہی ؎ لوگ چلتے گئے راستہ بن گیا

مایوس ہے ہر اک انسان ؎ اپنا چہرہ نوچ رہا ہے

ورجوں کی سازش نے ساگروں کو پی ڈالا
بوند بوند پانی کو مچھلیاں ترستی ہیں

مجھے اُمید ہے کہ مومن خان شوق کا یہ تیسرا مجموعہ بھی ادب کے پرستاروں سے داد تحسین حاصل کرے گا۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ



۳۱ رجولائی ۱۹۹۳ء

ڈاکٹر صادق نقوی
(ریڈر شعبۂ تاریخ جامعہ عثمانیہ)
حیدرآباد۔

حرفِ تاثّر

میں جب کبھی شہرِ مروّت حیدرآباد فرخندہ بنیاد آتا ہوں تو محبّی مومن خاں شوق سے بصد شوق ملاقات ضرور کرتا ہوں۔ پٹھانیت اور ذوقِ شعر گوئی ہم دونوں میں قدرِ مشترک ہے۔ شوق صاحب جہاں ایک خوش گو اور خوش فکر شاعر ہیں وہیں ایک مخلص و خوش اخلاق انسان بھی واقع ہوئے ہیں۔ جب کبھی ملتے ہیں والہانہ خلوص اور مومنانہ اپنائیت کے ساتھ ملتے ہیں۔ ان کے خلوصِ دل کی جھلکیاں اِن کے کلام میں بھی جا بجا پائی جاتی ہیں۔

بقولِ راقم

فن سے فنکار کے کردار کا چلتا ہے پتہ
کوئی دیوار نہیں ہے فن و فنکار کے بیچ

ہندوستان گیر شہرت رکھنے والے اکثر رسائل و جرائد میں کلام شوق بارہا میری نظر سے گزرا ہے اور جسے بغور پڑھ کر میں مسرور بھی ہوا ہوں اور متاثر بھی۔ یوں کہنے کو تو شوق صاحب زرعی یونیورسٹی کے شعبۂ حسابیات کی ملازمت سے منسلک ہیں مگر خدا داد ذوقِ ادب اور تخلیقی صلاحیتوں کی بنا پر فنِ شعر گوئی میں غیر معمولی کمال حاصل کرلیا ہے۔ غزلیں بھی کہتے ہیں اور نظمیں بھی۔ قطعات بھی قلمبند کرتے ہیں اور گیت بھی۔ ان کے دو شعری مجموعے (۱) بدلتے موسم اور (۲) چاندنی کے پھول منظرِ عام پر آچکے ہیں اور شائقین

شعروادب سے بھرپور دادِ سخنوری حاصل کر چکے ہیں۔ مقام مسرت ہے کہ اب ان کا تیسرا شعری مجموعہ بنام "نشاطِ آرزو" منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو رہا ہے۔ شوق صاحب کے محاسنِ کلام پر تفصیلی گفتگو کرنے کا نہ موقع ہے نہ مقام نیز صفحات کی کوتاہ دامنی تبصرہ کے سلسلے میں مانع کار ہے۔ پھر بھی اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ان کا اندازِ سخن بڑا پیارا اور اسلوبِ شعرگوئی نہایت سیدھا سادہ اور دلنشین ہے نیز پُرکاری اس پر مستزاد ہے۔

سادگی کے ساتھ جس میں حسن پُرکاری بھی ہو
غنشا ایسی شاعری کی بات ہی کچھ اور ہے

آپ اُردو شاعری کی کلاسیکل روایات کی پاسداری پورے التزام کے ساتھ کرتے ہیں نیز دورِ حاضر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے شعرگوئی کے اسلوب اور ڈکشن میں جدیدیت کا انداز بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کے اکثر اشعار جدید لفظیات اور جدید رنگ و آہنگ کے ساتھ تخلیقی رویئے کے اعتبار سے نئی یا جدید شاعری کا اچھا خاصہ نمونہ پیش کرتے ہیں۔ مومن خاں مومن سے لے کر مومن خاں شوق تک اُردو شاعری میں جو گوناگوں تغیرات رُونما ہوئے ہیں اور اسلوب ہیئت اور طرزِ ادا نے جو مختلف کروٹیں بدلی ہیں ان سب کی جھلکیاں مجموعہ ہذا "نشاطِ آرزو" میں بدرجہ کمال پائی جاتی ہیں۔ ارد گرد کے ماحول سے رشتہ استوار رکھنے اور روح عصر کی بھرپور ترجمانی کرنے کے باعث شوق صاحب کے کلام میں عجیب شانِ دلبری اور عصری حسیت جلوہ گر نظر آتی ہے۔

عطا کی ہیں جذبوں کو ہم نے زبانیں
ہمیں زندہ رکھے گا یہہ فن ہمارا

میرے اس شعر کے عین مصداق شوق صاحب کے نازک ترین احساسات
اور جذبات باطنی کو جو شعری پیکر عطا کئے ہیں وہ لائق صد داد و ستائش
۔ جذباتِ انسانی کی عکاسی، شعور کی پختگی اور تخیل کی رنگ آمیزی
بدولت اِن کے اکثر اشعار دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچنے لگتے ہیں۔ حقیقت تو
ہے کہ شوق صاحب بڑے سلجھے ہوئے شائستہ انداز میں اپنا مافی الضمیر
ر و سخن کے روپ میں پیش فرما دیتے ہیں۔ اِن کی پُرلطف غزلوں میں
و شعر انگڑائیاں لیتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ آپنے فرمایا ہے۔

نغمہ و شعر کی انگڑائی ہے
حشر سا حشر اٹھاتا موسم

آپ کی اکثر نظموں میں جہاں ندرت آمیز والہانہ اظہار خیال پایا جاتا
ہے وہیں سبق آموز قطعات میں حوصلہ مندی اور رجائیت کا مخصوص رنگ
بہار دکھاتا ہے مثلاً فرمایا ہے۔

رشید کے مانند پگھلتے تو رہے ہیں ؛؛ ہر شب میں قمر بن کے نکلتے تو رہے ہیں
ریخ میں یہہ تذکرہ آئے گا یقیناً ؛؛ حالات کو ہم لوگ بدلتے تو رہے ہیں

لگتا ہے "نشاطِ آرزو" کے اس خالق کو لفظ نشاط سے بڑا گہرا
لگاؤ ہے۔ نشاط اور کیفیتِ نشاط اسے بے حد مرغوب ہے۔ اس لئے

صرف مجموعہ کا نام ہی نشاطِ آرزو نہیں رکھا ہے بلکہ نظموں اور غزلوں میں جگہ جگہ اسی لفظ کا استعمال بھی کیا ہے شاید اسی وجہہ سے اِن کے کلام میں نشاطیہ اور طربیہ رنگ چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ ذرا اِن کی نشاط سامانی کی مثالیں تو دیکھئے۔ ایک غزل میں فرماتے ہیں ؎

غم نشاط حسیں اور حیات پرور ہے
کسی کی یاد سے معمور دل کا یہہ گھر ہے

دوسری جگہ کہا ہے۔

غم حیات، نشاطِ حیات بن جائے
نگاہِ لطف ہو اک بار اور کچھ بھی نہیں

ایک بڑی خوبصورت نظم میں مولانا ابوالکلام آزاد کو مخلصانہ خراج پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

ابوالکلام ہیں بدرِ منیر آزادی
طلوعِ صبح تمنّا، نشاطِ دیدہ و دل
خلوص پیار، وفا آشنا طریق تمام
وہ اپنی قامتِ زیبا ہیں جیسے حسنِ یقیں،
ابوالکلام خطابت کا بے بدل پیکر
ابوالکلام سیاسی شعور کا منظر

ایسے ہی زندگی کی نیرنگیوں پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

زندگی خواب اک سہانا ہے ٭ زندگی درد کا فسانہ ہے
زندگی رنج و غم کا لمحہ بھی ٭ زندگی ہے نشاط و نغمہ بھی
سات رنگوں کا یہ نگینہ ہے ٭ زندگی بے بہا خزینہ ہے

پھر ایک جگہ اپنے مروتوں کے شہر حیدرآباد کے حالیہ فسادات سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔

. . . .

وہ روشنی
جو پیار تھی، نشاط تھی حیات تھی
اُسے اگر دلا سکو تو زندگی ہے زندگی
گلی گلی، نگر نگر ہو پیار ہی کی چاندنی

غزلیں اور نظمیں تو خیر اپنی جگہ ہیں۔ آپ کے اکثر قطعات ایک نشاط کے ذکر سے خالی نہیں مثلاً عیدِ رمضان کی مسرت آفرینیوں کے سلسلے میں "نویدِ مسرت" کے زیرِ عنوان یوں فرمایا ہے۔

نویدِ مسرت، نشاطِ تمنا
بہار آشنا ساعتِ عیدِ رمضاں
عبادت، ریاضت نماز اور روزے
مسلماں کے حق میں ہیں جنت کے ساماں

عناصر اور لفظ و معنی کے نازک و لطیف تعلق باہمی کا خاص طور پر خیال رکھا ہے اور اسطرح فنِ شعر گوئی کے بیّن تقاضوں کا حق بحسن و خوبی ادا کیا ہے۔ نیز اپنے ذاتی تجربات اور اجتماعی زندگی کے مختلف حقائق کی عکاسیاں بھی کیں ہیں علاوہ ازیں آپنے آج کے انسان کی نفسانی و جذباتی کشمکش کا کربناک حیات اور ہیجانی کیفیات کے بے ساختہ اظہار کے لئے اپنی نظموں میں کئی مقامات پر علامتی اسلوب بھی اختیار کیا ہے اسطرح صداقت بیانی اور اشاراتی حسن کے باعث کلام شوق بہت خوشنما اور دل پذیر بن گیا ہے۔ اکثر غزلوں میں کلاسیکی شاعری کا حسین پرتو نئے نئے رموز و علائم اور نئے نئے تلازموں کے روپ میں نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ میں کھلے دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ مجہول قسم کی رومانیت اور معاملات حسن و عشق کے تعلق سے غیر ضروری مبالغہ آرائی سے ان کا کلام بالکل پاک و معرّا ہے۔ انہوں نے واقعیت پسندی کی راہ اپنا کر احساس و آگہی کو اپنا موضوعِ سخن بنایا ہے۔ اسلئے جذبہ کی گرمی اور خلوصِ دل کی وہ دھیمی دھیمی آنچ ان کے اشعار میں ملتی ہے جو دلوں کو گرمائے جاتی ہے۔ ان کے خوبصورت تازہ شعری مجموعہ" نشاطِ آرزو " کی اشاعت پر میں انہیں خلوص دل کے ساتھ مبارک باد پیش کرتا ہوں اور ان کے روشن مستقبل کی پیشن گوئی کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ۔

حکیم امت حضرت علامہ اقبالؒ نے فلسفۂ زماں و مکاں کی گتھیاں جس حکیمانہ انداز میں سلجھائی ہیں وہ تو خیر انہیں کا حصّہ ہے مگر ان کے ایک خوشہ چیں کی حیثیت سے ہمارے مومن خاں شوقؔ نے بھی حقیقتِ وقت کے تعلق سے کیا خوب لکھا ہے۔

وقت اپنا بھی ہے پرایا بھی ؛ یہ کڑی دھوپ بھی ہے سایہ بھی
گاہ روتوں کو وہ ہنساتا ہے ؛ گاہ ہنستوں کو وہ رلاتا ہے
حادثے اس کے ساتھ رہتے ہیں ؛ چرخ تک اس کے ہاتھ رہتے ہیں
رازِ یہ جاننا نہیں آساں ؛ اس کو پہچاننا نہیں آساں
ہے وہ آشا بھی اور نراشا بھی ؛ سو تماشوں کا اِک تماشا بھی

وقت پر جو نگاہ کرتا ہے
وقت اُس سے نباہ کرتا ہے

غرض یہ کلام شوقؔ میں نشاط انگیزی کے عناصر بدرجہ اتم ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں بڑی خوبی کی بات تو یہ ہے کہ شوقؔ صاحب نے زندگی اور زمانے کے تعلق سے سیدھی سادی اور سچی باتوں کو نہایت سادگی و پُرکاری اور خوش اسلوبی کے ساتھ شعری پیکروں میں ڈھالا ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ "نشاطِ آرزو" میں شامل اکثر نظمیں اور غزلیں نشاط انگیز، سرور آگیں اور مسرت بخش ہیں۔ ان میں شوقؔ صاحب نے شعر کے جمالیاتی

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلّی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

المرقوم
۱۴/ جون ۹۳ء
۱۱/ اسٹار کی ٹاؤن ناگپور



ڈاکٹر محمد منشاالرحمن خاں منشا
سابق صدر شعبۂ اردو و فارسی
ناگپور مہاودیالیہ ناگپور

بیان اپنا

میری شاعری کا سفر شروع ہوئے تقریباً ۲۵ سال کا عرصہ ہو رہا ہے۔ میرا یہ شعری سفر ابھی جاری ہے۔ اس سفر کے دوران میں آپ کی خدمت میں پہلا شعری مجموعہ " بدلتے موسم " ۱۹۸۱ء اور دوسرا شعری مجموعہ " چاندنی کے پھول " ۱۹۸۷ء پیش کر چکا ہوں۔ اب یہ تیسرا شعری مجموعہ " نشاطِ آرزو " ۱۹۹۳ء آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

شاعری ایک وسیع سمندر ہے اور میں ایک قطرہ۔ جذبات، احساسات اور ماحول کا کرب ہی میری شاعری کا محور ہے۔ اس مجموعہ میں جو کلام شریک کیا گیا ہے وہ طرحی و غیر طرحی کلام کے علاوہ حالاتِ حاضرہ اور زندگی کے مثبت پہلوؤں اور تلخ و شیریں واقعات کا آئینہ دار ہے۔ میں سیدھی سادھی زبان میں شعر کہنے کا عادی ہوں جس میں آپ کو اردو کی شیرینی اور ہندی کی مٹھاس بھی ملے گی کیوں کہ یہ دونوں زبانیں ہماری گنگا جمنی تہذیب کی علمبردار ہیں۔ ہم اس دور سے گذر رہے ہیں جس میں اردو پڑھنے والے روز بہ روز کم ہوتے جا رہے ہیں۔ ہم سب کو چاہیئے کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو اردو تعلیم کے لئے خاص توجہ دیں تاکہ آنے والی نسل اردو پڑھنے لکھنے سے نابلد نہ رہے۔ یہ شعری مجموعہ " نشاطِ آرزو " آندھرا پردیش اردو اکیڈیمی کی جزوی امداد سے شائع ہو رہا ہے جس کے لئے میں اربابِ مجاز اردو اکیڈیمی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

حیدرآباد کے ممتاز شاعر جناب صلاح الدین نیر صاحب جناب محمد قمر الدین صابری

اور جناب عزیز بھارتی صاحب کی رہنمائی اور مفید مشورے اس کتاب کی اشاعت میں بے حد کارآمد ثابت ہوئے جس کے لئے میں ان احباب کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔

ممتاز نقاد، شاعر اور پروفیسر تاریخ ڈاکٹر صادق نقوی صاحب نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس مجموعہ پر حوصلہ افزا رائے سے نوازا ہے۔ جس کے لئے انکی ادب نوازی پر ہدیۂ تشکر بجالاتا ہوں۔ ڈاکٹر منشا الرحمن خاں منشا سابق صدر شعبہ اردو و فارسی مہاودلیہ ناگپور کی پرخلوص رائے کے لئے بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہمیشہ کی طرح جناب محمود سلیم خوشنویس نے اپنی تمام تر توجہ سے "نشاطِ آرزو" کو خوبصورت کتابت سے سنوارا ہے۔ جناب محمد اقبال نے بھی نثری حصہ کی خوبصورت کتابت کی۔ جناب نور محمد اعجاز پریس کی شخصی دلچسپی سے یہ کتاب منظرِ عام پر آسکی۔ جس کے لیے ان احباب کا ممنون و مشکور ہوں۔

آخر میں قارئین سے میری گذارش ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اپنی بے لاگ رائے سے نوازیں۔

مومن خان شوق

اشرف ولا

11-3-723

ملے پلی حیدرآباد ۱.....۵

۲۹ اگست ۱۹۹۳ء



حمد

فنا کے دشت میں یکسر قیام تیرا ہے
ازل سے آج تلک بس پیام تیرا ہے

ترے حبیبؐ کے ہم اُمّتی ہیں ہم پہ کرم
رحیم نام ہے، اونچا مقام تیرا ہے

نگار خانۂ ہستی، تجھی سے ہے روشن
ہر اک نظام سے بہتر نظام تیرا ہے

ترے ہی نام سے زندہ ہے کائناتِ جنوں
ہے سب سے اعلیٰ و برتر مقام تیرا ہے

ہر ایک لفظ تقدس بھرا ہے قرآں کا
ہر اک کلام سے برتر کلام تیرا ہے

ترے کرم کے تصدّق، تری عطا کے نثار
حیاتِ شوق کا منظر تمام تیرا ہے



نعت

حق پرستی کے ہیں اعلان رسولِ عربی
میرے معبود کے فرمان رسولِ عربی

آج اُمّت ہے پریشان رسولِ عربی
کیجئے مشکلیں آسان رسولِ عربی

ہو جو دیدارِ مدینہ تو مقدّر جاگے
ہے مرے دل کا یہ ارمان رسولِ عربی

آپؐ سے ہٹ کے نہیں ہے کوئی عنواں آقا
آپؐ ہیں دین کے عنوان رسولِ عربی

ہوں گنہ گار مگر، آپ کا ہوں شیدائی
آپ پہ ہے مرا ایمان رسولِ عربی

اپنی اُمّت کے لئے آپؐ نے کیا کیا نہ کیا
آپؐ کا ہے یہی فیضان رسولِ عربی

کچھ نہیں چاہیئے بس پاس بُلا لو مجھ کو
کیجئے شوق پہ اِحسان رسولِ عربی

٥٥

ایک شعر

غمِ حیات، نشاطِ حیات بن جائے
نگاہِ لُطف ہو اِک بار اور کچھ بھی نہیں

شبِ قدر

نہیں جیسے تعریف کچھ ربّ کی ممکن
نہیں ویسے توصیف اس شب کی ممکن

شبِ قدر کی ہے عبادت بھی افضل
یہ شب ہے ہزاروں شبوں سے بھی اکمل

شبِ قدر تنزیلِ قرآن بھی ہے
شبِ قدر تقدیرِ انسان بھی ہے

شبِ قدر ہے برکتوں کی بشارت
شبِ قدر ہے رحمتوں کی ضمانت

شبِ قدر حق رحمتیں بانٹتا ہے
دو عالم کی سب نعمتیں بانٹتا ہے

شبِ قدر ہے رحمت مصطفےٰؐ سے
جو ہے مانگنا، مانگ لیجئے خدا سے



چلچلاتی دھوپ ہے، وہ پیڑ کا سایہ نہیں
ہم نے سمجھایا بہت تھا، آپ نے سمجھا نہیں

مسئلہ کوئی بھی ہو، سنجیدگی درکار ہے
شدّتِ جذبات میں بہنا کبھی اچھّا نہیں

یہ دکن کی سرزمیں کا، سب سے روشن وصف ہے
جو بھی آتا ہے یہاں، وہ لوٹ کر جاتا نہیں

اپنی منزل آپ طے کرنی ہے سب کو دوستو
راہ رَو چلتے ہیں، لیکن راستہ چلتا نہیں

میرے جلنے کا گلہ، کیوں آپ کرتے ہیں جناب
میں تو رُکنا چاہتا تھا، آپ نے روکا نہیں

اُن سے بچھڑے ایک مدّت ہوگئی لیکن اے دوست
لاکھ چاہا میں نے دِل سے، نقش وہ مٹتا نہیں

آئینے کی بات پر، کیوں شوقؔ حیرانی ہوئی
مان لو تم آئینے کو، آئینہ جھوٹا نہیں

۲۵



جُنوں ہے جوش ہے اِک ولولہ ہے
یہاں ہر ایک پتّھر بولتا ہے

مُروّت، سادگی، اخلاص و اُلفت
ہماری زندگی میں اور کیا ہے

مُسلسل سنگ باری سہہ رہا ہے
مِرا احساس شاید مرگیا ہے

خموشی سے سُلگنا، اُف نہ کرنا
یہی شاید محبت کا صلہ ہے

نیا دن اک نئی اُفتاد لائے
عجب یہ خواہشوں کا سلسلہ ہے

کہاں کی خیریت بَس جی رہے ہیں
یہی تو شوق جینے کی ادا ہے



شکستِ شام کا منظر، بھری بہار میں تھا
میں اپنے گھر میں بھی رہ کر کسی حصار میں تھا

میں اِک غریب، وہ لاکھوں کے کاروبار میں تھا
مِرا وجود مگر، پھر بھی اختیار میں تھا

کیا ہے اپنے ہی لوگوں نے پائمال مجھے
گِلہ ہو کس سے کہ، میں خود ہی اعتبار میں تھا

بہار کی جگہ کیسے خزاں چلی آئی
نمو کا حوصلہ جب شاخِ برگ و بار میں تھا

نکل سکا نہ وہ، ظلمات کی کشاکش سے
سحر کے واسطے وہ، کب سے انتظار میں تھا

جو اپنی ذات میں اک انجمن رہا اے شوق
بکھر گیا تو وہ یادوں کی رہ گزار میں تھا



غمِ نشاطِ حسین اور حیات پرور ہے
کسی کی یاد سے معمور دل کا یہ گھر ہے

نہ جانے موسمِ گُل میں چلی ہے کیسی ہوا
مرے ہی دوست کے ہاتھوں میں آج خنجر ہے

کسی کی ضِد نے مچائی ہے ایسی بربادی
عمارتوں کی جگہ اب کھنڈر کا منظر ہے

وہ سنگ ہوتا اگر، بات پھر بھی بن جاتی
امیرِ شہر کو دیکھو عجیب خود سر ہے

کسی نے چھُو کے مجھے، اک نئی ادا دے دی
خیال و فِکر

اے شوق امن کا سورج کہاں ہوا ہے گم
جدھر بھی دیکھیے بس ظلمتوں کی چادر ہے



سنّاٹا آواز بنا ہے
درد کا یوں اظہار ہوا ہے

یادوں نے جب لی ہے کروٹ
زخموں کا ہر بند کھُلا ہے

اِس نگری کا رہنے والا
قتلِ وفا پہ خوش لگتا ہے

خط پڑھنے میں کانپ رہے ہو
ایسا اِس میں کیا لکھا ہے

برسوں کی اُلفت کا رشتہ
اِک لمحے میں ٹوٹ گیا ہے

یُگ یُگ سے لمحہ بیچارہ
اپنی منزل ڈھونڈ رہا ہے

شوقِ جنونِ عشق سلامت
زنجیروں کی کیا پروا ہے

۳۰



وقت کا کیا ہے، تقاضا نہیں دیکھا جاتا
عشق میں ادنیٰ و اعلیٰ نہیں دیکھا جاتا

ایک ہی وقت میں جل جائے تو بجھا چھوٹے
زندگی بھر کا سُلگنا نہیں دیکھا جاتا

یہ شب و روز، یہ موسم، یہ بدلتے منظر
رات دن کا یہ تماشا نہیں دیکھا جاتا

آئینہ دیکھ کے، ہم خود کو نہ پہچان سکے
اپنے چہرے کا بکھرنا نہیں دیکھا جاتا

جانے حالات ہمیں اور دکھائیں کیا کیا
نسلِ نو کا یہ بہکنا نہیں دیکھا جاتا

شعبدہ باز
کیا کریں ہم

شوق اُس
اب کوئی خ



ظلمتِ شب کو، کچھ اِس ڈھب سے سنوارا جائے
غم کے آنگن میں نیا چاند اُتارا جائے

عجز و اخلاص کے جذبے کو اُبھارا جائے
اپنے دشمن کو بھی اب دوست پکارا جائے

زندگی ہے تو کٹھن پھر بھی نہ ہارا جائے
رنگ اس زیست کا کچھ اور نکھارا جائے

ہم نے گیسوئے غزل کو تو سنوارا ہے
گھر کے حالات کو کس طرح سنوارا جائے

ملگجی شام، شبِ تار، دھندلکا ہے
چہرۂ صبح کو اب کیسے نکھارا جائے

شوقؔ ہر موڑ پہ سنّاٹے کا عالم ہے
دشتِ تنہائی میں اب کس کو پکارا جائے



پتھّر ہوا کبھی، تو کبھی آئینہ ہوا
اب کیا کہوں وجود مرا کیا سے کیا ہوا

اچھّا ہوا، بُرا ہوا جو بھی ہوا نصیب
ہر شخص جی رہا ہے یہی سوچتا ہوا

ہر روز قتل و خون، فسادات، لُوٹ مار
تُم ہی بتاؤ آج کے انساں کو کیا ہوا

اب شاخِ گُل، نہ بادِ صبا اور نہ گھٹائیں
ہر آدمی ہے یاس کا صحرا بنا ہوا

آدابِ زندگی ہے نہ تہذیبِ آرزو
یادوں نے ایک شہر بسایا تھا کیا ہوا

یادوں کی انجمن میں وہ ہل چل مچی ہے شوق
جیسے کتابِ دل ہو کوئی کھولتا ہوا



منظر کھلا کھلا ہے، کمی تو نظر میں ہے
باہر تلاش کرتے ہو، وہ شئے تو گھر میں ہے

تم مصلحت پسند نہیں ہو تو کیا ہوا
ہر مصلحت پسند کسی کے اثر میں ہے

راہوں کے پیچ و خم سے بھلا کیا ڈرے گا وہ
منزل کی دھن ہے اور مسافر سفر میں ہے

اب زندگی کے نام یہ اشعار کیا لکھیں
جلتی ہوئی حیات کا منظر نظر میں ہے

اونچائیوں کا خوف، محض خوف ہے جناب
پرواز کا شعور، ارادوں کے پر میں ہے

ہر کوئی اپنی ذات میں اِک انجمن سہی
سوچو تو انجمن کی بقا کس امر میں ہے

اِس دورِ انتشار میں اے شوقِ زندگی
ہر پل، ہر ایک لمحہ، اجل کے اثر میں ہے



آپ ہوتے جو مرے ساتھ یہ ہوتا کیسے
میری خوشیوں کا ہر اک خواب بکھرتا کیسے

آبلہ پائی کا احساس جو ہوتا اُس کو
راہ رَو وادیٔ پُرخار میں چلتا کیسے

جب تلک اُن کی توجہ نہیں اِس میں شامل
غم کی آندھی میں دِیا پیار کا جلتا کیسے

تم تو کہتے تھے اُسے مجھ سے نہیں ہے اُلفت
بات ہوتی جو یہی، خط مجھے لکھتا کیسے

ہر طرف آگ ہے دُنیا کا سکوں جلتا ہے
آتشِ وقت سے میں خود کو بچاتا کیسے

عشق میں ہوتے نہ منصور اگر دیوانے
جذبۂ شوق بھلا دار پہ چڑھتا کیسے



آج اُن گلابوں کو لالیاں ترستی ہیں
بھولے بھالے انساں کو بستیاں ترستی ہیں

اب کے موسمِ گُل میں، کیوں خزاں چلی آئی
پھُول پتّیوں کو اب تتلیاں ترستی ہیں

سُورجوں کی سازش نے ساگروں کو پی ڈالا
بُوند بُوند پانی کو مچھلیاں ترستی ہیں

جوشِ سرفروشی میں جان جو لٹاتے تھے
ایسے ہی جیالوں کو سُولیاں ترستی ہیں

یوں تو باغِ ہستی میں آشیاں نہیں ہیں کم
اک مرے نشیمن کو بجلیاں ترستی ہیں

عدل کے لئے جس نے جان کی نہ پروا کی
شوق ایسے مُنصف کو کرسیاں ترستی ہیں



بھلے ہی وادیٔ ظلمت میں تو اُتار مجھے
بکھیر دوں میں اُجالا، دے اختیار مجھے

مرے خُدا، مرے حالات سازگار بنا
میں بے قرار ہوں، حاصل نہیں قرار مجھے

وہ ایک لمحہ، جو سرمایۂ حیات بنے
اُس ایک لمحے کا، اب تک ہے اِنتظار مجھے

اُبھر کے آؤں گا، اک حرف آرزو بن کر
تُو ایک بار اُسی پیار سے پکار مجھے

جِسے بھی دیکھئے شہرت کے ہاتھ بِکتا ہے
یہاں تو ہر کوئی لگتا ہے اشتہار مجھے

دیارِ دل میں ابھی تازگی ہے یادوں کی
نفس نفس نظر آتا ہے خوشگوار مجھے

گُماں کے شہر میں اے شوق تم اکیلے ہو
یہی خیال ستاتا ہے بار بار مجھے



زندگی تیرا بول بالا ہے
تجھ سے ہر سمت ہی اُجالا ہے

تم کنوئیں کے قریب بیٹھے ہو
ہم نے ساگر کھنگال ڈالا ہے

کس طرف سے نجات پاؤں میں
ہر طرف مکڑیوں کا جالا ہے

تجھ کو کس سمت کھوجنے جاؤں
کہیں مسجد کہیں شوالا ہے

اپنی یادوں کی دیجئے شبنم
زندگی آگ ہے جوالا ہے

اپنی نظروں کو دے کے آزادی
مستقل تم نے درد پالا ہے

زیست کو شوق تم نہ سمجھو گے
اس کا ہر بھید ہی نرالا ہے



ہر کسی کو اپنے اپنے دائرے اچھے لگے
سب کو اپنی زندگی کے فیصلے اچھے لگے

ساتھ ہو چاہے کسی کا حادثے ہیں حادثے
کب کسی کو دوستو وہ حادثے اچھے لگے

ایک ہی رستہ پہ چلنا، کب ہمیں اچھا لگا
زندگی کے نت نئے وہ تجربے اچھے لگے

آپ جب تک ساتھ تھے، ہر گام تھی منزل مری
منزلوں سے بھی مجھے، وہ راستے اچھے لگے

دن کی تپتی دھوپ نے، جھلسا دیا تھا سب کو شوقؔ
شام کے سائے میں چلتے قافلے اچھے لگے



ہم ایسے ہیں متوالے، ہر سانچے میں ڈھل جائیں
آجائیں اگر ضد پر، پتھر بھی پگھل جائیں

مخمور تیری آنکھیں، جادو سا جگاتی ہیں
سنبھلیں تو بہک جائیں، بہکیں تو سنبھل جائیں

اِن آندھیوں میں ہم نے شمعیں جَلا تو لی ہیں
بجھتی ہیں تو بجھ جائیں، جلتی ہیں تو جل جائیں

غیروں سے گِلہ کیسا، غیروں سے شکایت کیا
اَپنوں کے یہاں پر جب، انداز بدل جائیں

اَے شوقِ رِفاقت کی، تہذیب کا ہے ماتم
جی کرتا ہے ایسے میں، صحرا کو نکل جائیں

ابوالکلام آزاد

ابوالکلام کہ بدرِ منیر آزادی
طلوعِ صبحِ تمنّا، نشاطِ دیدہ و دل
خلوص پیار وفا، آشنا طریق تمام
وہ اپنی قامتِ زیبا میں جیسے حسنِ یقیں
ابوالکلام خطابت کا بے بدل پیکر
ابوالکلام سیاسی شعور کا منظر
ابوالکلام فصاحت کا تیز رَو دریا
ابوالکلام ثقافت کی موجِ بے پایاں
ابوالکلام مجسّم شرافتِ مشرق
وہ روشنی جسے صدیاں تلاش کرتی ہیں
ہمارے عہد کا ورثہ بنی ہے، ہم میں ہے

حرفِ وفا

(شفیع الدین نیّر کی نذر)

بہت میٹھی زباں
طرزِ بیاں شیریں
سخن روشن ستارا
زندگی خوشبو
مری لڑکی جسے پڑھ کر مہک جائے
سبق کی طرح اس کی ہر کہانی راہ دکھلائے
اور اُس کی خوب صورت سی وہ نظمیں
جب بھی بچوں نے پڑھیں اک رہگزر پائی
اُسے مکتب کہوں یا فکر کا اک مدرسہ لکھوں
شفیع الدین نیّر میں تمہیں حرفِ وفا لکھوں



یہ کیسی آگ ہے، کیسا دُھواں ہے
یہاں تو ہر طرف آہ و فُغاں ہے

سُلگتے لفظ ہیں، اس داستاں کے
کہ ہر مفہوم اِک آتش فشاں ہے

پڑی ہے اُن کو اپنی محفلوں کی
مرے پیشِ نظر سارا جہاں ہے

مِلی اَن چاہی چیزیں زندگی میں
جِسے ہم ڈھونڈتے ہیں وہ کہاں ہے

نہ چھوڑو ساتھ میرا اے غموں تم
ابھی تو حوصلہ میرا جواں ہے

ڈراؤ، اِمتحانوں سے نہ ہم کو
ہماری زندگی خود امتحاں ہے

نگاہِ برق سے، اے شوقؔ ہر پَل
رہو ہُشیار کہ وہ بدگماں ہے



اِس بھری بھیڑ میں، تنہائی بہت کھلتی ہے
اب تو آجا کہ مجھے، تیری کمی لگتی ہے

جب بھی بھولی ہوئی یادوں کے کنول کھلتے ہیں
دل تو روتا ہے، مگر لب پہ ہنسی رہتی ہے

یوں تو لگتی ہے اجل، دور کی اِک بات مگر
گھر کی دہلیز پہ، دستک کی طرح ٹھہری ہے

جو اُجڑتی ہے تو بستی نہیں، بستی کی طرح
دِل کی بستی بھی مرے دوست عجب بستی ہے

یار لوگوں میں وہ اخلاص و مروّت ہی نہیں
ہم نے اے شوق مگر آس لگا رکھی ہے

احساس کی خوشبو

کھلے ہیں پھول کتنے ہی تمناؤں کی وادی میں
تمہارے قرب کی خوشبو
صبا کے دوش پر صحنِ چمن میں جب مچلتی ہے
میں آنکھیں بند کر لیتا ہوں
کھو جاتا ہوں اگلی خوبصورت سی ملاقاتوں کے گلشن میں
تو لگتا ہے:
یہ جوہی اور چمپا، موتیا، نرگس
تمہاری طرح جینے کی یہاں پہ نقل کرتے ہیں
اِنھیں تم سے علاقہ کیا!؟
مرے احساس کی خوشبو! تم اک ایسا گُلِ تر ہو
مہک سے جس کی روشن ہے مرے فن کا صنم خانہ

۵۰

اتفاق

ایک دن
روٹھی خوشی
انجانی ڈگر پر
ایسے ملی
جیسے
گھپ اندھیرے میں
بھٹکے مسافر کو
راہ مل گئی ہو
چاندنی سی کھل گئی ہو

تیلی کی ضرورت

ماچس کی تیلی کو بچا کر رکھّو
اور اُسے ڈبیا میں چھپا کر رکھّو
بھروسا کیا
بجلی کا ـــــــــ
جانے کب یہ دھوکا دے جائے
اور
جانے کب ظُلمت میں
یہ تیلی کام آئے

عکس

من کے درپن میں اجنبی صورت
کبھی روتی تو کبھی ہنستی ہے
اور کبھی
یوں دکھائی دیتی ہے
جیسے خاموش کوئی مورت ہو
سوچ میں گم
اُداس اور تنہا
آنے والے دِنوں کی رمز شناس
میں نہیں ہوں
وہ عکس ہے میرا

دیپ جلے

جگ مگ جگ مگ دیپ جلے
بستی بستی آنگن آنگن
آشائیں مسکائیں
پائل باجے گھنگھرو جھمکے
جشنِ چراغاں کا اک منظر
روشن روشن بام اور در
مہکی مہکی شام سہانی
پریم سندیسہ لائے
نگر نگر الفت کی کہانی
کرن کرن اپنائیے
جوت جلے، جیون مسکائے

۵۵

نئے سال کی آمد پر

پھر نئے سال کی آمد ہے نیا جام چلے
پھر برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
میرے کمرے میں کیلنڈر جو نئے سال کا آویزاں ہے
نظر آتا ہے گزشتہ کی طرح
وہی اُلجھے ہوئے حالات وہی مہنگائی
ہے وہی تشنہ لبی اور وہی تنہائی
نہ محبّت، نہ مروّت، نہ وفا کے آثار
آدمیّت کے تقاضے نہ صداقت کی بھبین
جس طرح آتشِ امروز میں جلتی تصویر
جیسے کجلائی ہوئی دستِ حنائی کی لکیر

میرے کمرے میں کیلنڈر جو نئے سال کا آویزاں ہے
نظر آتا ہے گزشتہ کی طرح
ایک منظر جو سُہانا ہے وہ پھیلے تو سہی
راج خوشیوں کا ہو چہروں پہ مسرّت چمکے
گھر کے آنگن میں محبّت کا کوئی گُل مہکے
اور شاعر کا قلم ایک قصیدہ لکھّے
جس کا ہر لفظ
ٹھیک ہے ہم
باب در باب
میرے کمرے میں
خود تماشہ ہے

نہرو

نہرو نئی سحر کے اُجالے کا نام ہے
ظلمت میں روشنی کے قبالے کا نام ہے
بے باک و درد مند جیالے کا نام ہے
اخلاص اور وفا کے شوالے کا نام ہے

نہرو، جدید ہند کا معمارِ اوّلین
وہ روشنی نوازِ چمکتی ہوئی جبین
وہ شانتی کا دُوت ہے اور امن کا امین
اور شخصیت میں سب سے دلآویز دل نشین

نہرو، حیاتِ نو کی ایک ایسی کتاب ہے
جس کے ورق ورق پہ شگفتہ گلاب ہے
اُس کا سبھی پہ لطف و کرم بے حساب ہے
آزادیٔ وطن کا وہ زرّین باب ہے

عظیم رہنما
راجیو گاندھی کی ناگہانی موت پر

عجب یہ سانحہ ہوا
یہ دردناک واقعہ
کیا گیا یہ کیا سلوک
عظیم رہنما کے ساتھ
یہ دشمنوں نے کیا کیا ؟
جو روشنی تھا، پیار تھا
دلوں کا جو قرار تھا
جو آدمی تھا با کمال
جو رہنما تھا بے مثال
جو ایکتا کی آن تھا
جو دیش کی بھی جان تھا
جو امن کا تھا پاسباں
محبّتوں کا آسماں
اُسے ہی کیوں مِٹا دیا ؟
عجیب دل کا حال ہے ، ملال ہی ملال ہے
لبوں پہ یہ سوال ہے
یہ کیوں ہوا، یہ کیا ہوا / یہ دشمنوں نے کیا کیا ؟

پانی کے لئے ایک نظم

پیاسی دھرتی سارا پانی چوس چکی ہے
اور پیاسی ہیں
بنجر آنکھیں، سوکھے چہرے
کارن کیا ہے؟
اے دھرتی پر بسنے والو
اپنے اپنے من کو ٹٹولو
جیون کی سوکھی بگیا میں
وِش مت گھولو، میٹھے بولو
بستی بستی، شہروں شہروں

۵۹

کیسی ہاہا کار مچی ہے
اس دھرتی پہ بسنے والے
گورے، کالے، بھوکے، پیاسے
محنت کش، مزدور کسان
بچّے، بوڑھے، بابُو لوگ
سبھی پیاسے ہیں
اَے جل داتا، اَے جل دانی
پانی، پانی، پانی، پانی



زندگی کے دن سُہانے کیا ہوئے
کس لیے وہ غم سے وابستہ ہوئے

بوریہ، بستر اٹھاؤ چل پڑو
لوگ کتنے ہی یہاں رسوا ہوئے

زندگی تبدیلیوں کا نام ہے
کل جو پتّھر تھے وہ آئینہ ہوئے

یک بیک یہ راستوں پر کیا ہوا
بند دروازے، دریچے وا ہوئے

آپ کے ہوتے ہوئے بھی جانے کیوں
ہم ہجومِ یاس میں تنہا ہوئے

آنسوؤں کے حوصلوں کو کیا ہوا
راز میرے سب کے سب افشا ہوئے

آندھیوں نے وہ ستم ڈھائے ہیں شوقؔ
ہم تو بس اِک برگِ آوارہ ہوئے



پیاس بن کر جو مرے لب سے اُلجھتا ہوگا
وہ سمندر مری تقدیر میں لکھا ہوگا

دیکھنے ہم بھی گئے تھے کہ حقیقت کیا ہے
آپ نے ٹھیک کہا تھا کہ تماشا ہوگا

اک ترا نام ہی رہ جائے گا ہونٹوں پہ مرے
دشتِ غربت میں کوئی جب نہ سہارا ہوگا

اس کی محفل میں چلا ہے، مجھے لے کر پھر سے
دل ہے نادان بہت، مفت میں رُسوا ہو گا

ہر نیا دن، نئی اُفتاد کی لاتا ہے خبر
کِس نے جانا تھا کہ یوں خونِ تمنّا ہو گا

میرے اس شہر کی گلیوں سے نہیں تم واقف
میرے ہمراہ چلو گے تو یہ اچھّا ہو گا

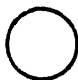
شوق اس شخص پہ الزام نہ رکھئے کوئی
بات کچھ اور تھی، کچھ آپ نے سمجھا ہو گا

شہرِ دکن

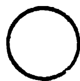
بانکپن ہے آن ہے شہرِ دکن
شاعری کی شان ہے شہرِ دکن
باہمی اخلاص کا مظہر ہے یہ
پیار کا عنوان ہے شہرِ دکن

شہر اپنا قلی قطب کا چمن
اس کی مٹی میں ایک سوندھا پن
ہر قدم زندگی، خلوص، وفا
کس قدر دلنشیں ہے یہ آنگن

چارمینار جس کی دولت ہے
جامعہ عثمانیہ سے شہرت ہے
گولکنڈہ کی عظمتیں ہیں جوان
سارے بھارت میں اس کی عزت ہے



ظلمتوں میں پیار کی شمعیں جلانا چاہیئے
وہ جو روٹھیں ہیں انھیں پھر سے منانا چاہیئے
توڑنے کو دل کسی کا، ایک پل درکار ہے
جوڑنے کے واسطے، لوگو! زمانہ چاہیئے



حالات کے پتھراؤ میں جینے کی ادا دو
ماحول کو تم اپنے تبسّم کی ضیاء دو
یہ روز کے جھگڑے، یہ تعصّب، یہ تصادم
انسان کو انسان سے اک بار ملا دو



خورشید کی مانند پگھلتے تو رہے ہیں
ہر شب کو قمر بن کے نکلتے تو رہے ہیں
تاریخ میں یہ تذکرہ آئے گا یقیناً
حالات کو ہم لوگ بدلتے تو رہے ہیں



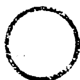
میں اپنے زخموں کا سارا حساب لایا ہوں
ورق ورق نہیں پوری کتاب لایا ہوں
ترے ستم کی کہانی ہے جس میں پوشیدہ
کتابِ زیست کا اِک ایسا باب لایا ہوں



دل کسی کا بھی دُکھانا کیا یہ اچھّی بات ہے
دوسروں پر مُسکرانا کیا یہ اچھّی بات ہے
اپنے گھر میں روشنی کرنے کی خاطر دوستو
گھر پڑوسی کا جلانا کیا یہ اچھّی بات ہے



زندگی پیار سے عبارت ہے
خدمتِ خلق بھی عبادت ہے
عجز و اخلاص اور وفا، ایثار
آج کے دور کی ضرورت ہے



بہارِ وقت سے غافل جو رہنما ہوں گے
خزاں کے رنگ میں حالات رُونما ہوں گے
نہ اُلجھنیں ہی رہیں گی نہ مشکلیں ہوں گی
خلوصِ دل سے فرائض اگر ادا ہوں گے



شعر و سخن کی شمعیں جلاتے رہیں گے ہم
ذہنوں کی ظلمتوں کو مٹاتے رہیں گے ہم
لکھّے گا وقت کا وہ مورخ جسے اے شوقؔ
طوفان ایک ایسا اُٹھاتے رہیں گے ہم

قطعہ

بہاریں گنگناتی ہیں، نظارے بات کرتے ہیں
کہ جیسے دُور رہ کر بھی، کنارے بات کرتے ہیں
ہجومِ شوق کا ہوتا ہے جب بھی سامنا ہم سے
زباں خاموش رہتی ہے اِشارے بات کرتے ہیں

دو شعر

چاندنی رات میں گاتا موسم
پیار کے گیت سُناتا موسم
نغمہ و شعر کی انگڑائی ہے
حشر سا حشر اُٹھاتا موسم



عجیب یاس کا منظر ہے کیا کیا جائے
غموں کا ایک سمندر ہے کیا کیا جائے
دکھائیں غم کی حقیقت بتائیے کس کو
یہاں تو ہر کوئی پتھّر ہے کیا کیا جائے



کیوں زندگی ہے پیاس کا صحرا نہ پوچھئے
تشنہ لبی کا ہم سے مداوا نہ پوچھئے
ہر سمت قتل و خوں ہے اہنسا کے دیش میں
ہونے لگا ہے کیوں یہ تماشا نہ پوچھئے

فسادات سے متاثر ہو کر

کیوں مسخ ہوئی صورت، کیسا یہ تماشا ہے
ہر سُو ہے آج دہشت، کیسا یہ تماشا ہے
جنّت نشاں ہم نے اس دیش کو تھا، مانا
اب لُٹنے لگی جنّت، کیسا یہ تماشا ہے

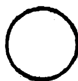


سُورج سے ملی ظلمت، کیسا یہ تماشہ ہے
مسمار ہُوئی عظمت، کیسا یہ تماشہ ہے
اِن بستیوں میں اب کیا انسان نہیں بستے
ہونے لگی ہے وحشت، کیسا یہ تماشہ ہے

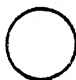
۷۳

مُروّتوں کے شہر میں

مُروّتوں کے شہر میں، یہ کیسا سانحہ ہوا
دھواں دھواں ہے آرزو
قلی قطب کے شہر میں
یہ کیا ہوا، یہ کیوں ہوا؟
نظر نظر، کرن کرن، حیات تھی
یہ لوٹ مار، قتل و خون کیوں ہوا
کہاں گئی وہ روشنی؟
مُحبّتیں، رفاقتیں کہاں گئیں
اے دوستو، اے بھائیو!
مروّتوں کے شہر کو کرو نہ یوں تباہ تم
خلوص پیار سے رہو
وفا کے ساتھ ہی بہو
وہ روشنی
جو پیار تھی، نشاط تھی، حیات تھی
اُسے اگر دِلا سکو تو زندگی ہو زندگی
گلی گلی، نگر نگر ہو پیار کی ہی چاندنی



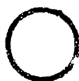
بستی بستی ایک ہی منظر
کوچہ کوچہ اُگے ہیں پتھر
پھول ترستے ہیں ہاتھوں کو
ہاتھوں میں کب تک یہ خنجر



آپس کے اُس خلوص و محبت کو کیا ہوا
حیران ہوں کہ شہرِ مروّت کو کیا ہوا
وحشت برس رہی ہے ہر اک چہرے پہ اے شوقؔ
لوگوں کی مسکرانے کی عادت کو کیا ہوا

خون کی رعنائی

خون ہندو سکھ نہ مسلم اور نہ وہ عیسائی ہے
بانکپن ہے ایک اس کا، ایک ہی رعنائی ہے
زندگی کی ہے ضمانت، بھولتے ہو کیوں اُسے
مان لو تم یہ حقیقت، بس یہی سچائی ہے



بارود کی دنیا

مہکتی فضاؤں میں بارود کی بو
دھواں ہی دھواں ہے، یہاں آج ہر سو
لہو بہہ رہا ہے کہ جیسے ہو پانی
جدھر دیکھئے، آج ہے عالم ہو

اپنے شہر والوں کے نام

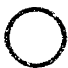
بیتی ہوئی باتوں کو بھول جاؤ دوستو
جو کچھ ہوا ہے اُس کو نہ دہراؤ دوستو
ہم ایک تھے، ہم ایک ہیں، ہم ایک رہیں گے
سب مل کے آج گیت یہی گاؤ دوستو

عہد کریں

نفرت کو ہم دل سے مٹائیں
پیار کی ہر سُو شمعیں جلائیں
بستی بستی، نگری نگری
امن کے پرچم کو لہرائیں



غمِ حیات کا مَیں جشن یوں مناتا ہوں
ہر ایک زخمِ تمنّا پہ مُسکراتا ہوں
سکونِ دِل کی مجھے اب نہیں کوئی حاجت
مَیں اضطرابِ مُسلسل سے چین پاتا ہوں



جسم کے خون کو پانی لکھّو
اس حقیقت کو کہانی لکھّو
ہے اگرچہ کہ نیا دَور مگر
تم وہی بات پُرانی لکھّو!

نکل آئے سویرا

جہاں کِھلتی تھیں کلیاں   جہاں تھیں رنگ رلیاں
جہاں مستی میں ڈوبی   رہا کرتی تھیں گلیاں
وہاں اب خاک کیوں ہے
یہ سینہ چاک کیوں ہے

جہاں سب دل ملے تھے   وفا کے سلسلے تھے
تھی اِک شاخِ محبّت   جہاں پر گل کھلے تھے
وہاں وہم و گماں ہے
جِدھر دیکھو دھواں ہے

جہاں تھی شادمانی جہاں تھی گُل فشانی
جہاں سُنتے تھے باہم محبّت کی کہانی
وہاں نفرت پلی ہے
کہ ہر سُو کھلبلی ہے

بُھلا دیں رنجشوں کو مِٹا دیں سازشوں کو
اُبھاریں مِل کے ہم تم وفا کی خواہشوں کو
مِٹے دل کا اندھیرا
نکل آئے سویرا!

آؤ عہد کریں

آؤ جشنِ آزادی پر یہ عہد کریں
ایکتا کے گلاب مہکائیں
ہر گلی جشن ہو، چراغاں ہو
پیار کے گیت، امن کی باتیں
آگہی کے نئے وسیلے بنیں
اور ہم لوگ اس طرح سے جئیں
شہر، دیہات، گاؤں، بستی میں
زندگی کا شعور رقصاں ہو
آدمی آدمی کو پہچانے
آدمیّت کی قدر ہو ہر سُو
جہد و محنت پہ اعتماد بڑھے
کوئی بھوکا رہے نہ اور ننگا
کوئی جھگڑا رہے نہ اور دنگا
ہر نفس شادکام فرحاں ہو
شوق راہِ حیات آساں ہو

ہتھیار سیاست کے بنتے دین دھرم بھی
نفرت میں جل رہے ہیں یہاں دیر و حرم بھی

تحقیر کی نگاہ سے، دیکھو نہ تم مجھے
پگھلیں گے میری آہ سے، پتھر کے صنم بھی

مجھ کو نہ جگاؤ مجھے رہنے دو یونہی تم
ٹوٹے نہ کہیں ڈر ہے، یہ خوابوں کا بھرم بھی

یادوں کے سہارے پہ جئے گا کوئی کب تک
اس انتظارِ شوق میں مر جائیں گے ہم بھی

یہ وقت ہے اور اُس کی عنایت ہے سبھی پہ
کیا ذکرِ شوق آپ کا رسوا ہوئے ہم بھی

زندگی

زندگی خواب اک سہانا ہے
زندگی درد کا فسانہ ہے

زندگی رنج و غم کا لمحہ بھی
زندگی ہے نشاط و نغمہ بھی

زندگی شعر و نغمگی کا خمار
زندگی کیف و سرخوشی کی بہار

زندگی نقشِ نامرادی بھی
زندگی رقص بھی ہے شادی بھی

زندگی پھول ہے کبھی ہے خار
تختِ شاہی ہے اور کبھی ہے دار

سات رنگوں کا یہ نگینہ ہے
زندگی بے بہا خزینہ ہے

قدر جو رنج و غم کی جانے گا
شوق وہ زندگی کو مانے گا



سمجھنا دُور سے اس کا محال ہے کتنا
مِلے تو عقدہ کھُلا خوش خِصال ہے کتنا

ذرا سی ٹھیس سے ہے، چُور چُور شیشۂ دل
اِس ایک بات کا، ہم کو ملال ہے کتنا

ہجوم میں بھی ٹھہرتی ہے، بس اُسی پہ نظر
وہ سنگدل ہی سہی، خوش جمال ہے کتنا

۸۵

ہر احتجاج پہ وہ قہقہہ لگاتا ہے
اَمیرِ شہر کو دیکھو! بحال ہے کتنا

عجیب لوگ ہیں اِنسانیت کی قدر نہیں
اَنا پسندی کا اُن کو خیال ہے کِتنا

مَیں سانس سانس میں ہر لمحہ مُسکراتا ہوں
مَیں جانتا ہوں کہ میرا کمال ہے کِتنا

یہ نکتہ تجھ کو سمجھ میں نہ آئے گا اے شوقؔ
ترے عروج میں پنہاں زوال ہے کِتنا



ایسے بھی زندگانی میں آتے ہیں کچھ مقام
دریا کے پاس رہ کے بھی رہتے ہیں تشنہ کام

وہ کیفیت کہ جس کا کوئی نام ہی نہیں
چپکے سے دے رہی ہے مری زندگی کو شام

تاریک راستے ہیں، بُجھے ہیں چراغ بھی
اب اپنی ٹھوکروں ہی سے لینا ہے مجھ کو کام

راہوں کا سلسلہ ہے کہ ٹوٹا نہیں کبھی
منزل کی جستجو ہی میں چلتے ہیں صبح و شام

اپنے عدو کو ہم نے کیا ہے معاف یوں
اُس کی عداوتوں کا لیا ہم نے انتقام

کل تک حیات ہم سے کبھی روٹھی ہوئی تھی شوق
وہ آگئے تو اُس کو خوشی مِل گئی دوام



آرزو ہے وہی، جو جَل کے دھواں ہوتی ہے
درحقیقت یہی اُلفت کی زباں ہوتی ہے

غم کا طوفان ہو، یا ہو خوشی کا وہ ساحل
کشتیٔ عمر بہرحال رواں ہوتی ہے

جس قدر رہتے ہیں وہ خود کو چھپائے ہم سے
آرزو اور جواں اور جواں ہوتی ہے

رازِ دل چھپ نہ سکا ہو ہی گیا سب پہ عیاں
سچ کہا لوگوں نے اشکوں کی زباں ہوتی ہے

زندگی بوجھ ہے اور اُس پہ غموں کی باتیں
اس طرح زندگی کچھ اور گراں ہوتی ہے

سادگی، صبر و رضا، مہر و وفا اور شوخی
شوقؔ یہ بات کہو سب میں کہاں ہوتی ہے



جب بھی ماضی کی وہ تصویر دِکھا دیتا ہے
میرے سوئے ہوئے جذبات جگا دیتا ہے

آپ کے ساتھ گزارا ہوا اک اک لمحہ
بُھولنا چاہوں تو، یادوں کو ہوا دیتا ہے

ایک وہ ہے کہ جو، مجھ ہی پہ ستم توڑے ہے
اک مرا دل ہے جو اس کو ہی دُعا دیتا ہے

قتلِ اِنساں سے جو باز آؤ تو مہکے گُلشن
پرچمِ امن ہی نفرت کو مِٹا دیتا ہے

اس کی رحمت کا میں اظہار کروں بھی کیسے
وہ طلب سے مری کچھ اور سوا دیتا ہے

دینے والا تو حقیقت میں، خدا ہے اے شوقؔ
کوئی انسان کسی اور کو کیا دیتا ہے



خوشی کی آس لیے غم میں جل رہا ہوں میں
جَلا کے شمعِ تمنّا پگھل رہا ہوں مَیں

تھا ایک عرصے سے خوابیدہ آرزو کی طرح
ابھی تو جاگا ہوں کروٹ بدل رہا ہوں مَیں

نہ پیچ و خم پہ نظر ہے، نہ خوف رہزن کا
سفر عزیز ہے چلنا ہے، چل رہا ہوں مَیں

سحر کے واسطے تیرہ شبی کے دامن پر
لہو نگاہ سے دِل کا اُگل رہا ہوں میں

حیاتِ شوق کے سانچے میں ڈھل رہی ہے اب
وہ دے رہے ہیں سہارا سنبھل رہا ہوں میں

کوئی قصّہ نہیں حقیقت ہے
زندگی دھوپ ہے تمازت ہے

اس قدر اُلجھنوں میں گھِر کر بھی
جی رہا ہوں یہ مجھ کو حیرت ہے

مجھ کو خوشیوں سے لینا دینا کیا
آپ کا غم ہی میری دولت ہے

گَرد ہی گَرد ہے یہاں ہر سُو
آئینوں کی کِسے ضرورت ہے

شوق دیوانگی میں کٹتی ہے
زندگی ورنہ اک قیامت ہے



غرورِ پیکرِ آتش کا سر جھکا دوں گا
ہر ایک سانس کو جب داؤ پر لگا دوں گا

ستم کی رات کٹے، غنچۂ سحر مہکے
اے زندگی! میں تجھے اور کیا دُعا دوں گا

بھٹک رہا ہوں مَیں، منزل کی جستجو میں ابھی
تو مجھ کو یاد بھی آئے تو میں بھُلا دوں گا

مرے خلوص کا رُتبہ بڑا ہے دولت سے
اگر دے وقت اجازت تو میں دِکھا دوں گا

وہ ایک لمحہ جسے حُسنِ آرزو کہیے
اُس ایک لمحے کو حرفِ غزل بنا دوں گا

سنبھالو شوق کو اپنے، ذرا تو سُستا لو
غمِ حیات کا قصّہ کبھی سُنا دوں گا

یہ جنونِ عشق میرا لبِ بام آ نہ جائے
مرے لب پہ پھر اچانک ترا نام آ نہ جائے

ابھی حوصلے جواں ہیں، ابھی منزلیں رواں ہیں
کہ جُنوں کی رہگزر میں، کہیں شام آ نہ جائے

وہ فسانہ کہہ رہے ہیں، یہی سوچ کر میں چُپ ہوں
کہیں کانپتے لبوں پر مرا نام آ نہ جائے

ابھی بال و پر بنے ہیں، ابھی شوقِ جستجو ہے
کہیں طائرِ نفس یہ، تہہِ دام آ نہ جائے

یار بن جائیں جو اغیار تو پھر کیا ہوگا
پھول بن جائیں اگر خار تو پھر کیا ہوگا

ہر نیا دن، نئی اُلجھن کو لیے آتا ہے
غم کی ہوتی رہی یلغار تو پھر کیا ہوگا

تم سے قائم ہے میری زیست میں خوشبوئے وفا
تم ہوئے مجھ سے جو بیزار تو پھر کیا ہوگا

زندگی عارضی ہے سوچ سمجھ کر چلیے
بجھ گیا شعلۂ رُخسار تو پھر کیا ہوگا

ہم کہ مشتاقِ نظارہ ہیں مگر سوچتے ہیں
حُسن بن جائے جو بازار تو پھر کیا ہوگا

چاہتیں مصر کا بازار ہوئیں شوق یہاں
مِل نہ پائے جو خریدار تو پھر کیا ہوگا



جب بھی تیرا خیال آیا ہے
کیف سا میرے دل پہ چھایا ہے
کل تھا دل کے قریب غم اُن کا
آج اُن کو قریب پایا ہے



جاگتی آنکھوں سے سپنے دیکھتا ہوں
نغمگی اشعار میں یوں گھولتا ہوں
پیار اور اخلاص، ہمدردی، مروّت
زندگی کا ایک ایسا سلسلہ ہوں

زندگی دیکھئے، ہر رنگ میں ڈھل جاتی ہے
گرمیٔ وقت سے، ہر لحظہ پگھل جاتی ہے

نغمہ و شعر کا احساس ہی دیتا ہے سکوں
زندگی بس اسی سانچے میں سنبھل جاتی ہے

وضعداری کا تقاضا ہے کہ محتاط رہیں
بے ارادہ ہی کوئی بات نکل جاتی ہے

غمؔ زدو! جاگتے رہنا ہے سحر ہونے تک
صبح دم سنتے ہیں تقدیر بدل جاتی ہے

اس قدر بھوک کی ماری ہوئی ہے رات کہ وہ
جب بھی آتی ہے اُجالوں کو نگل جاتی ہے

چھیڑ خوباں سے تو ہوتی ہی رہی ہے اکثر
حسن کو دیکھ کر فطرت بھی مچل جاتی ہے

شوقؔ اب پند و نصیحت کے زمانے نہ رہے
بات اچھی ہی سہی، اپنوں کو کھل جاتی ہے



زندگی شعلہ دھواں
موج یا ریگِ رواں

درد، اُلجھن، اضطراب
ہر طرف آہ و فغاں

عاشقی کے مرحلے
داستاں در داستاں

یاد اُن کی آج بھی
جیسے دل میں ہے جواں

لوگ آئے اور گئے
کارواں در کارواں

شوقِ فکر و فن کے نام
چھوڑیئے کچھ تو نشاں

عیدِ رمضان



نُور و نکہت کا جیسے ہو سیلِ رواں
جیسے اخلاص و اُلفت کا اِک کارواں
درسِ انسانیت جس سے ملتا ہے شوق
عیدِ رمضاں ہے، امن و اماں کا نِشاں



لبِ شیریں پہ مسرّت کے ترانے آئے
عید آئی ترے ملنے کے زمانے آئے
دوست تو دوست ہیں، دشمن بھی گلے ملنے لگے
واہ کیا خوب، انوکھے یہ بہانے آئے

نویدِ مسرّت

نوید مسرّت ، نشاطِ تمنّا !
بہارِ آشنا ، ساعتِ عیدِ رمضاں
عبادت ، ریاضت ، نماز اور روزے
مُسلماں کے حق میں ہیں جنّت کے ساماں

○

عید مفہوم شادمانی ہے
عید مہکی ہوئی کہانی ہے
شوقِ رمضاں کی عید کا حاصل
میرے مولا کی مہربانی ہے

○

عید کا جب خیال آتا ہے
دل میں اک چاند جگمگاتا ہے
آج ہر لمحہ زندگانی کا!
مژدۂ جاں فزا سُناتا ہے

روشن نوید آئی ہے

عظمتوں کا مہینہ
یہ رمضان ہے
رحمتیں، برکتیں
جس کی ہیں بے حساب
روز داروں کے حق میں
یہ ہے اک صلہ
یعنی عید الفطر ــــ
نور و نکہت میں ڈوبی ہوئی

ہر کرن ــــــ
خوشبوؤں سے معطّر ہے
جیسے چمن ــــ
پیار و اُلفت کے نغمے
سُناتے ہوئے
بچھڑے لوگوں کو
باہم ملاتے ہوئے
تفرقہ کو مٹانے
یہ عید آئی ہے
بن کے ظلمت میں
روشن نوید آئی ہے

قربانی

جہاں دیتا ہے کوئی قربانی
وہاں ہوتا ہے فضلِ ربّانی

یہ ہے اک سنّتِ خلیل اللہ
امتحانِ حیاتِ ایمانی

لے چلے ذبح کرنے بیٹے کو
آشنائے مقامِ انسانی

کیجے خوشنودیٔ خدا حاصل
دیجے راہِ خدا میں قربانی

شوق غفلت میں تم نہ کھو جانا
ہو نہ انجام میں پشیمانی

فلسفۂ شہادت

حسینؑ ابن علی کا
جذبۂ شوقِ شہادت
کربلا کا معرکہ تھا بے بہا
دین کی خاطر
صداقت اور حق کے واسطے
لُٹا دینا بہتّر کو
کوئی آساں نہیں تھا
حسینی فلسفہ

اور
فکر کا برگ ثمر ہے
مقابل ظلم کے دیکھو
صداقت کے لیے
فتح و ظفر ہے
حسینی صبر
دُنیا میں امر ہے

وقت

وقت اپنا بھی ہے پرایا بھی
یہ کڑی دھوپ بھی ہے سایا بھی

گاہ روتوں کو وہ ہنساتا ہے
گاہ ہنستوں کو وہ رُلاتا ہے

چھین کر اپنوں کو وہ جاتا ہے
کبھی بچھڑوں کو وہ ملاتا ہے

غم کے نغمے کبھی سناتا ہے
کبھی خوشیوں کے گیت گاتا ہے

ہے وہ برکھا بہار کی صورت
اور کبھی ہے خزاں زدہ مورت

روشنی ہے کبھی ، کبھی ظلمت
ہے محبّت بھی وہ کبھی نفرت

حادثے اس کے ساتھ رہتے ہیں
چرخ تک اس کے ہاتھ رہتے ہیں

راز یہ جاننا نہیں آساں
اس کو پہچاننا نہیں آساں

ہے وہ آشا بھی اور نراشا بھی
سو تماشوں کا اک تماشا بھی

وقت پر جو نگاہ کرتا ہے
وقت اُس سے نباہ کرتا ہے





غمِ حیات نے جب بھی مجھے پکارا ہے
ترا خلوص مرا، آخری سہارا ہے

اندھیری رات میں، اُمید کی کرن پھُوٹی
بلندیوں پہ مری بخت کا ستارا ہے

یہ آندھیاں، یہ تلاطم، یہ جوشِ طوفاں کا
کہیں قریب ہی شائد کوئی کنارا ہے

نظر نظر میں مہکنے لگی ہے خوشبو سی
کہ جیسے موسمِ گُل کا یہی اِشارا ہے

کبھی میں اُس کو بھلا کیسے بھُول پاؤں گا
نظر نے جس کی مرے شوق کو اُبھارا ہے



کہوں کیا کون پیارا ہو گیا ہے
مجھے ہر غم گوارا ہو گیا ہے

سمجھتا ہوں میں پھولوں کی ہنسی کو
بہاروں کا اشارا ہو گیا ہے

جو پلکوں پر اُتر آیا شبِ غم
وہی آنسو ستارا ہو گیا ہے

خدارا اب تو روکو تم غموں کو
ہمارا دِل تمھارا ہو گیا ہے

طلب میں ڈوب کر بھی ہم نہ ڈوبے
تلاطم بھی کنارا ہو گیا ہے

تبسّم ہے لبوں پر شوق اُن کے
محبّت کا سہارا ہو گیا ہے

آرزوئے بہار

عشق تم سے ہے پیار تم سے ہے
زندگی میں بہار تم سے ہے

تم ہی تم ہو مرے خیالوں میں
ذہن بھی لالہ زار تم سے ہے

گھر کا آنگن ہو، یا کہ ہو صحرا
ہر طرف اِک نکھار تم سے ہے

تم سے ہٹ کر نہیں ہے کچھ بھی یہاں
زیست کا اعتبار تم سے ہے

چاندنی ہو کہ ہو شبِ فرقت
ہر گھڑی سازگار تم سے ہے

شوق کی ہو غزل یا گیت کوئی
زندگی کا خمار تم سے ہے



رُت بدلی ہے، جیون ڈولے
کاجل بھی نینوں کا بولے

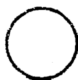
گِھر گِھر آئی کاری بدریا
ناؤ چلاؤ، ہولے ہولے

جواں بدن کی بھینی خوشبو
فضا میں پھولوں کا رس گھولے

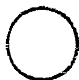
گلشن گلشن، پنکھ پکھیرو
اپنی اپنی بولی بولے

گُم صُم، گُم صُم بیٹھی سجنی
اپنے مَن کا بھید نہ کھولے

شوقؔ کی غزلوں، گیت کو سُن کر
سجنی کا مَنوا بھی ڈولے



شمعِ اخلاص و محبت کی جلائے رکھنا
اور احساس کے جذبے کو جگائے رکھنا
شوقؔ صحرا میں بھی مہکاؤ تمنّا کے گلاب
اپنی تہذیب کے ورثہ کو بچائے رکھنا



اپنے دشمن کو بھی اب دوست بنانا ہوگا
ریگ زاروں میں بھی اب پھول کھلانا ہوگا
شوقؔ اپنے تو بہرحال رہیں گے اپنے
آج غیروں کو بھی سینے سے لگانا ہوگا



آج ہر اِک دل میں اپنا گھر بنانا چاہیئے
نفرتوں کو اپنے سینوں سے مٹانا چاہیئے

وہ جو ہونا ہے وہ ہو کر ہی رہے گا دوستو
لاکھ غم ہوں دل میں پھر بھی مُسکرانا چاہیئے

زندگی کے واسطے ہم نے کئے سو سو جتن
موت پھر بھی موت ہے اس کو بہانا چاہیئے

مسئلہ کوئی بھی ہو سنجیدگی سے کام لو
شدّتِ جذبات میں ہرگز نہ آنا چاہیئے

ہے وطن میرے لئے اِک آبروئے زندگی
اس کی خاطر جان کی بازی لگانا چاہیئے

دوسروں کو آزمانے سے یہی بہتر ہے شوقؔ
آج اپنے آپ ہی کو آزمانا چاہیئے

فیضؔ احمد فیضؔ کی نذر...

یہ سعادت کم ہی لوگوں کو مِلی
فیضؔ سے اُردو نے پایا مرتبہ
کامیابی مَرحلہ در مَرحلہ
فیضؔ تھے اُردو ادب کا حوصلہ



ادب نواز شخصیت عابد علی خاں کی یاد میں

ادب کے پاسبان تھے
وہ ایکتا کی آن تھے
رہے زمیں کی طرح
مگر وہ آسمان تھے



صحافت اور سیاست کے
تھے عابد ہی حسیں پیکر
وہ حق گوئی کے شیدائی
وہ بے باکی کے تھے مظہر



آج ہیں حرفِ حقیقت، کل گماں ہوجائیں
زندگی کے درد کی ہم، داستاں ہوجائیں۔

گو بظاہر ہیں اکیلے، ایک دن وہ آئے
بڑھتے بڑھتے دیکھنا ہم، کارواں ہوجائیں۔

وہ جو پلکوں پہ چمکتے ہیں ستاروں کی طرح
کیا پتہ تھا ایک دن، وہ بھی رواں ہوجائیں

ہم جو ہیں خاموش، اس کا دوسرا مطلب سمجھ
ایک دن وہ آئے گا، شعلہ بیاں ہوجائیں۔

ہم زمینِ دل کے مالک ہیں، تبھی تو دوستو
عین ممکن ہے کہ کل ہم، آسماں ہوجائیں گے

اپنے ماضی کے جھروکے بند کرلو، ورنہ شوق
وہ جو لمحے قیمتی ہیں، رائگاں ہوجائیں گے



وقت شعلہ ہے وقت ہے شبنم
وقت میں کائنات بھی ہے ضم
وقت کا تم مزاج پہچانو!
وقت ہے زخم، وقت ہے مرہم



کرتا نہیں ہے وقت، کسی کا بھی انتظار
غافل رہیں گے آپ تو ہوگا ہی انتشار
چلتے رہے گا، وقت کے ہمراہ جو بشر
دامن میں اس کے خود ہی سمٹ آئے گی بہار

دھرتی کو گلزار بناؤ

من میں ایسی جوت جگاؤ
آؤ سب مل کر یہ گاؤ
علم و عمل کے ہتھیاروں سے
غربت کو تم دور بھگاؤ
من میں ایسی جوت جگاؤ
آؤ سب مل کر یہ گاؤ
عزم کے آگے مشکل کیسی
عزم کا پرچم تم لہراؤ
من میں ایسی جوت جگاؤ
آؤ سب مل کر یہ گاؤ
نفرت کی جلتی دھرتی پر
الفت کے تم پھول کھلاؤ
من میں ایسی جوت جگاؤ
آؤ سب مل کر یہ گاؤ
دہشت، وحشت، خون خرابہ
دیش کو ان فتنوں سے بچاؤ

من میں ایسی جوت جگاؤ　　آؤ سب مل کر یہ گاؤ
سب کی بھاشا، پریم کی بھاشا
ہر بھاشا کو تم اپناؤ
من میں ایسی جوت جگاؤ　　آؤ سب مل کر یہ گاؤ
دھن دولت کا لالچ چھوڑو
بہوتوں کو تم، یوں نہ جلاؤ
من میں ایسی جوت جگاؤ　　آؤ سب مل کر یہ گاؤ
کون ہے چھوٹا، کون بڑا ہے
دل سے ایسے بھید مٹاؤ
من میں ایسی جوت جگاؤ　　آؤ سب مل کر یہ گاؤ
بھارت دھرموں کا گلدستہ
دھرتی کو گلزار بناؤ
من میں ایسی جوت جگاؤ　　آؤ سب مل کر یہ گاؤ
بستی بستی پیار امر ہو
شوق تم ایسے گیت سناؤ
من میں ایسی جوت جگاؤ　　آؤ سب مل کر یہ گاؤ



گیت

اپنے ساجن سے پیار کرتی ہوں   اُن پہ سب کچھ نثار کرتی ہوں
اُن سے میری نظر کا رشتہ ہے
جیسے دِل سے جگر کا رشتہ ہے
جیسے شب سے سحر کا رشتہ ہے
اپنے ساجن سے پیار کرتی ہوں   یاد میں یار یار کرتی ہوں
جاڑا گرمی کہ موسمِ برسات
دن وہ غم کا ہو یا خوشی کی رات
لمحے لمحے میں ہے وَفا کی بات
اپنے ساجن سے پیار کرتی ہوں   ہجر کو پُر بہار کرتی ہوں

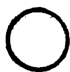
جب سے پردیس کو گئے ہیں وہ
بدلے بدلے سے لگ رہے ہیں وہ
جیسے پتھر ہی میں ڈھلے ہیں وہ
اپنے ساجن سے پیار کرتی ہوں میں تو بس اعتبار کرتی ہوں
وہ جو آئیں بہار آجائے
میرے دل کو قرار آجائے
زندگی میں نکھار آجائے
اپنے ساجن سے پیار کرتی ہوں مدتوں انتظار کرتی ہوں



گیت

رُت مہکی اور برسا پانی پیا ملن کو ترسا پانی
ساون رُت متوالی دیکھو
ہری ہری ہریالی دیکھو
کتنی بھولی بھالی دیکھو
رُت مہکی اور برسا پانی پیا ملن کو ترسا پانی
شاخ پہ کوئل بول رہی ہے
ڈالی ڈالی ڈول رہی ہے
بھید ملن کے کھول رہی ہے
رُت مہکی اور برسا پانی پیا ملن کو ترسا پانی

بِرہ کی اگنی من کو جلائے
نین ہمارے نیر بہائے
پل بھر جی کو چین نہ آئے
رُت مہکی اور برسا پانی پیا ملن کو ترسا پانی
کہاں چھپے ہو آؤ ساجن
مکھ اپنا دکھلاؤ ساجن
من کی پیاس بجھاؤ ساجن
رُت مہکی اور برسا پانی پیا ملن کو ترسا پانی



ہولی کا تہوار

رنگوں کی پھلوار سے سجنی
رنگ بنا سنسار
نیلا، پیلا، اُودا، لال
رنگوں کا دربار
جاگ گیا سنسار
ہولی کا تہوار —
اِن رنگوں کو رنگ نہ سمجھو
مہکے اِن سے بستی بستی، نگری نگری ہر اِک دوار
یک جہتی، اخلاص، محبّت، امن، مسرّت، پیار
رنگوں کی پھلوار سے مہکا اب کے برس گلزار
اب کے برس گلزار ———
رنگ بنا سنسار

شمعِ اُلفت جلائیں گے گھر گھر

(۶ر تا ۸ر ڈسمبر ۱۹۹۲ء کے واقعات سے متاثر ہوکر)

دھرم، مذہب کا احترام کرو
جب کرو جوڑنے کا کام کرو
دِل جو ٹوٹے تو جُڑ نہیں سکتا
ہے یہ نکتہ اِسی کو عام کرو



اپنے کردار میں ہو ایسا اثر
لڑکھڑائے کبھی نہ اپنی نظر
نفرتوں کے دِیئے بُجھا کر شوق
شمعِ اُلفت جلائیں گے گھر گھر



عشق میں دِل مرا کیا سے کیا بن گیا
یوں تمنّا کا پھر سلسلہ بن گیا

کام آ ہی گیا، نسبتوں کا بھرم
اجنبی شخص بھی، آشنا بن گیا

زندگی پیچ و خم سے گزرتی رہی
لوگ چلتے گئے، راستہ بن گیا

زہرِ غم دشمنوں نے دیا تھا مگر
یہ خدا کا کرم ہے دوا بن گیا

صحنِ گلشن میں، جب اُس نے انگڑائی لی
شوقِ منظر بڑا، خوش نُما بن گیا



نگاہ و دل کا فاصلہ وہ اِس طرح گھٹ گیا
نظر سے جب مِلی نظر، وہ رازِ دل سُنا گیا

مری اُداسیوں میں کوئی آکے مُسکرا گیا
کہ سُونی سُونی شاخ پہ نیا وہ گُل کِھلا گیا

بُجھے چراغ جل گئے کہ چاندنی سے کِھل اُٹھی
وہ مُسکراہٹوں کے پھُول چار سُو بچھا گیا

وہ جب تلک رہا ہمارے ساتھ زندگی رہی
وہ کیا گیا کہ زندگی کا لُطف ہی چلا گیا

مری حیات نے دیئے ہیں زخمِ دل کچھ اِس طرح
میں زندگی کے نام ہی سے آج تھرتھرا گیا

جھلک دکھا کے چھپ گیا ہے جب سے اجنبی کوئی
کہ جستجوئے شوق کو کچھ اور ہی بڑھا گیا



پُرکھوں نے، جو کچھ بھی کہا ہے
جھوٹ کہاں ہے سب سچّا ہے

کون کہاں پہ، چھُوٹ گیا ہے
کیا تم نے بھی غور کیا ہے

ایسا کیوں ہے ہر اک اِنساں
اپنا چہرہ نوچ رہا ہے

اُس کے بارے میں کیا کہنا
بے شک وہ تصویرِ وفا ہے

شوق پہ ہوگی چشمِ عنایت
موسم ایسا بول رہا ہے

لاتور اور عثمان آباد کے
۳۰ ستمبر ۱۹۹۳ء کے زلزلے سے متاثر ہوکر

ہر طرف لاشوں کا اک انبار ہے
زندگی بے بس ہے اور لاچار ہے
وقت نے یوں زلزلہ پیدا کیا
زندگی اب بن گئی آزار ہے



لبوں پہ آہ و فغاں اور آنکھ پُرنم ہے
ہر ایک چہرہ پہ، ماتم کا ایک عالم ہے
نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے شوقؔ ہمیں
کہ آسماں کی نظر ہم پہ آج برہم ہے

زندگی

زندگی عظمتِ کردار بھی ہے
زندگی شعلۂ رُخسار بھی ہے
زندگی صرف مسرّت ہی نہیں
زندگی کرب کا اظہار بھی ہے

زندگی اِک کھلی کتاب سہی
اس کا مفہوم کون سمجھائے
آخرش اُن کو ہارنا ہی پڑا
جن کو دعویٰ تھا وہ سمجھ پائے